تحریکِ سوشلزم پر ایک تنقیدی نظر

از جناب سید مغنی الدین صاحب شمسی ایم۔ اے

شمسی صاحب نے اس مقالہ میں یہ بتایا ہے کہ سوشلزم کیوں پیدا ہوا اور اس کے نظریہ میں عہد بعہد کیا کیا تغیرات ہوتے رہے یہ مقالہ اُن کی کتاب سے جو ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہو رہی ہے ایک بالکل الگ چیز ہے۔ اس لیے ہم اسے "برہان" میں شائع کرتے ہیں۔　　　　ایڈیٹر

تمہید یہ عجیب بات ہے کہ تحریک اشتراکیت کا اتنا چرچا اور پروپیگنڈا ہونے کے باوجود اس کی حقیقت یا تعریف اس قدر مبہم ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں اور مقاصد کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس تحریک میں جس پر لفظ سوشلزم کا اطلاق ہوتا ہے گوناگوں معاشرتی ماحول اور مختلف شخصیتوں کے اثرات کے سبب اس قدر ایک دوسرے سے جداگانہ نظریات و مقاصد پائے جاتے ہیں کہ اُن میں متفق علیہ عنصر کا ڈھونڈھ نکالنا آسان بات نہیں۔ سوشلزم کی پالیسی ہمیشہ سے اختلاف و مخالفت کے اصول کی پابند رہی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے ساتھ میں تمام وہ گروہ جمع ہوئے جو وقتی حالات سے بیزار اور موجودہ نظامِ جماعت کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ سوشلزم ایک ایسی زندہ تحریک ہے جو زمانہ کے ہر مادی اور ذہنی ارتقاء و تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر کسی خاص صورت کا اطمینان بخش اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ لفظ سوشلزم کا استعمال کچھ ایسے بے ڈھنگے طریقے پر ہونے لگا ہے کہ اکثر جذبات پر

لوگ اپنے اغراض ومقاصد کو اس کی آڑ میں پوشیدہ رکھتے ہوئے مستقل حقوق اور حق ملکیت پر جائز وناجائز حملے کرتے ہیں

البتہ سوشلزم کے مفہوم کو ایک حد تک سمجھنے کے لیے ہمیں موجودہ انڈسٹریل نظام (یا جسے سوشلسٹ نظام سرمایہ داری کے نام سے موسوم کرتے ہیں) اور اس تحریک کے تعلق پر غور کرنا ہوگا اس تعلق کے عموماً چار رُخ پیش کئے جاتے ہیں جو مختصر طور پر درج ذیل ہیں۔

اول یہ کہ سوشلزم تمام موجودہ انڈسٹریل نظام کو جو شخصی ملکیت اور تجارتی مقابلہ کے اصول پر مبنی ہے قابل الزام ٹھہراتا ہے۔ ان الزامات کو پر جوش طریقہ پر پمفلٹ، اخباروں اور تقریروں کے ذریعہ نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے سرمایہ داری کی کمزوریوں اور عیوب کے متعلق غیظ وغضب کا اظہار عام طور پر کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف سوشلزم سرمایہ داری کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور عملی صورت پر غور کرتا ہے۔ اس قسم کے تجربے باعتبار اپنے مقاصد کے ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعض کے نزدیک یہ سرمایہ داری محض تصنع کے مترادف اور اصل منشار قدرت کے خلاف ہے۔ Hegel اور Darwin کے پیروؤں کے نزدیک یہ سرمایہ داری کا دور صرف ایک ارتقائی درجہ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

تیسرے اعتبار سے سوشلزم کو نظام سرمایہ داری کے بدل یا قائم مقام کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ کم وبیش ہر اشتراکی نظام کے نزدیک اجتماعی ملکیت یا مشترکہ دولت کا آئیڈل (Ideal) قابلِ ستائش تصور کیا جاتا ہے۔ مستقبل کے نصب العین کا انحصار وقتی حالات کے تجزیے پر اسی طرح منحصر ہے جس طرح علاج مرض کی تشخیص پر منحصر ہوتا ہے۔ غیر اہم اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے سوشلزم عموماً اجتماعی ملکیت اور چند مخصوص اصولِ انصاف کے مطابق تقسیم دولت اور ذرائع

پیداوار دولت کے مشترکہ استعمال کا حامی ہے۔

بالآخر سوشلزم سرمایہ داری کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اس صورت میں اختلاف حد سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، اور اس کے ساتھ ہی اصول عمل میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے بعض پرامن طریقہ کے حامی ہیں تو بعض انقلاب کو صحیح سمجھتے ہیں۔ کچھ پارلیمنٹری اصول کی پابندی کرنا چاہتے ہیں تو کچھ سنڈیکلزم کے اصول سے متفق ہیں۔ چند ایسے بھی ہیں جو سرمایہ داری کی خود اپنے ہاتھوں موت کا انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال ان عملی تدابیر کا انحصار بہت کچھ ان کے نظری تجزیے اور انڈسٹریل وملی ماحول پر ہے۔

سوشلزم ان چاروں یعنی فرد قرار دادِ جرم بخلاف سرمایہ داری، تجزیہ سرمایہ داری، مصائب عالم کی اکسیر اعظم اور سرمایہ داری کے خلاف اعلان جنگ کے اعتبار سے جماعت کی کسی ایسی تنظیم کی جس میں ترقی کا انحصار دستوری مقابلہ پر ہو۔ ضد ہے۔ سوشلزم سایہ کی طرح ذاتی ملکیت کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ پچھلی ایک یا دو صدی کے عرصہ میں انڈسٹریل انقلاب کی بدولت انسانی جماعت و افراد کے اقتصادی مفاد کو ان کے دیگر اعمال و افعال کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ بلکہ وہ تمام دیگر اعمال پر حاوی ہے۔ چنانچہ اسی دوران میں سوشلزم نے بھی سب سے زیادہ ترقی کی ہے لہٰذا موجودہ بحث میں اٹھارویں صدی کے بعد کے سوشلزم کے متعلق گفتگو کی جائیگی، کیونکہ نظری اور عملی امتیاز سے یہ دور نہایت اہم ہے لیکن اٹھارویں صدی سے قبل کے ارتقاء پر بھی سرسری نظر ڈال لینا خالی از مفاد نہ ہوگا۔

افلاطون کا نظریۂ ریاست

دراصل قدیم زمانے کے یونانی یوٹوپیا نظریات ہی بعد کی تحریک سوشلزم کی جڑ ہیں۔ افلاطون نے آئے دن کے یونانی شہری ریاستوں کے جھگڑوں، لڑائیوں اور طاقت کے غلط استعمال سے تنگ آکر ایک ایسے متخیلہ نظام ریاست میں پناہ لینی چاہی جہاں افراد اور

جماعت کی عمرانی جنگ کا امکان باقی نہ رہے۔ چنانچہ جو نقشہ اس نے اپنی "ریاست" "Republic" میں کھینچا ہے وہ اشتمالیت سے قریب تر ہے لیکن یہ اشتمالیت انسانی جماعت کے اعلیٰ اور حکمراں طبقہ تک محدود تھی۔ ادنیٰ جماعتیں مثلاً کسان، کاریگر اور غلاموں وغیرہ کو اس پر ذاتی ملکیت کا محکوم رکھا گیا تھا۔ صرف حکمراں جماعت میں سے خود غرضی اور آپس کے جھگڑوں کے مٹانے کی فکر کی گئی تھی۔ ان کی حیثیت میں صرف اتنا فرق ہوگیا تھا کہ وہ بجائے "ریوڑ کو پھاڑ کھانے والے بھیڑیوں" کے اس کے "پاسبان" کی حیثیت سے کام کریں۔ دوسرے یہ کہ اشتمالیت محض صرف دولت سے متعلق تھی۔ محکوم رعایا کو جن کی بدولت حکمراں جماعت قائم تھی پیداوار دولت کے سلسلہ میں اسی مقابلہ کے اصول کی پیروی کرنی پڑتی تھی۔ یہ اشتمالیت زیادہ تر ترک دنیا کے اصول پر مبنی تھی نہ کہ استفادہ کے اصول پر یعنی تمام مادی اسباب کو ترک کرکے اس مثالی یا آئیڈیل (Ideal) خوشی یا مسرت پر قناعت کرنی چاہیے جو انسان کو اپنے اصل مقصد زندگی کی پیروی کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ افلاطون نے بھی دیگر نقادوں کی طرح اس بات کو پرکھ لیا تھا کہ انسان بہ نسبت انفرادی مفاد کے کنبے یا خاندان کے مفاد کی خاطر مقابلہ کے لیے زیادہ تیار ہو جاتا ہے۔ افلاطون کی "ریاست" کے اس نقشہ نے زمانۂ مابعد کے بے شمار لوگوں کے دلوں میں اس قسم کی "ریاست" کے قیام کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تصانیف تیار کیں، جن میں سے سب سے بہتر More کی "Utopia" ہے۔

رومیوں نے اشتراکیت کے سلسلہ لٹریچر میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا لیکن زمانۂ وسطیٰ میں مذہبی پیشواؤں نے امرا اور ذاتی ملکیت کی مخالفت اسی طرز پر کی جیسی کہ آج کل کے لندن "ہائڈ پارک" میں گلا پھاڑ پھاڑ کر کرتے ہیں۔ چنانچہ چند عیسائی پیشواؤں کے اقوال درج ذیل ہیں۔

St. Basil کہتے ہیں "تم کس چیز کو اپنا کہتے ہو؟ اور وہ تمہیں کس نے دی ہے؟ تم تھیٹر کے ایسے تماشائیوں کی طرح ہو جو تھیٹر میں داخل ہوتے ہی دوسروں کو محروم کرکے تمام جگہوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب کے بیٹھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ امیر کس طریقہ پر دولتمند بنتے ہیں؟ سوائے اس کے کہ وہ اُن چیزوں پر قبضہ کرلیتے ہیں جو سب کی ملکیت ہیں۔ زمین تمام بنی نوع انسان کو یکساں طور پر دی گئی ہے۔ کسی شخص کو اس چیز کو جو اُس کی ضرورت سے زائد ہے اور مشترکہ ملوک سی لی گئی ہے، اپنا نہیں کہنا چاہیے..... اسی طرح وہ روٹی جو تم ضرورت سے زائد بچا کر رکھتے ہو بھوکے کا حصہ ہے وہ لباس جو تم الماریوں میں بند کرکے رکھتے ہو ننگوں کو ملنا چاہیے۔"

St. Ambrose کا قول ہے "قدرت نے تمام چیزیں سب کے استعمال کے لیے بنائی ہیں..... قدرت نے مشترکہ حقوق بنائے ہیں لیکن بے ایمانوں نے ذاتی اور شخصی حقوق بنا لیے۔"

St. John Chrysoston "امیر آدمی ایک چور ہوتا ہے۔"

St. Gregory "جب ہم ضرورتمندوں کے ساتھ حصہ بٹاتے ہیں تو ہم اُنہیں اپنے پاس سے کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ وہ ان کو ان کے خود کے حصہ میں سے دیا جاتا ہے نہیں دینا کوئی مہربانی یا عنایت نہیں ہے، بلکہ اُن کے قرضہ کی ادائگی ہے۔"

لیکن اس تمام وعظ کا مقصد محض امیروں سے لے کر غریبوں کو خیرات دلوانا ہے۔ اگرچہ عہد میں ان مذہبی خیالات کی بنیاد پر چند اشتمالی تحریکیں شروع کی گئیں، لیکن وہ سب سوشلزم کی نامکمل صورتیں تھیں۔ اور زیادہ تر صرف دولت سے متعلق تھیں۔

انگلستان نے زیادہ تر ادبی اعتبار سے سوشلزم کے ارتقا میں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ

Campanella نے "City of the Sun" ، Bacon نے "New Atlantis"

More نے "Utopia" جیسی معرکۃ الآرا تصانیف کیں۔ درحقیقت یہ تصانیف حقیقی علمی سوشلزم کی بنیاد ہیں۔ اس کا اعتراف خود سوشلزم کے مقتدر رہنما Kantasky نے ان الفاظ میں کیا ہے "جدید سوشلزم کی ابتدا یوٹوپیا سے ہوئی ہے" اگرچہ More کی یوٹوپیا کا مقصد عملی اصلاحات سے ہرگز نہیں تھا لیکن اس کی اس تصنیف سے کم ازکم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ More جیسے قدامت پسند اور ذمہ دار سرکاری عہدے دار نے بھی اپنے گردوپیش کی خرابیوں سے متاثر ہوکر اُن کے دور کرنے کی کس قدر جرأت آمیز تجاویز پیش کی ہیں، چنانچہ اس میں ذاتی ملکیت کی خرابیاں ظاہر کرنے کے بعد پیداوار دولت پر ریاست کے مکمل قبضہ کی تجویز کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان مسائل کا بھی ذکر ہے جو تقریباً ہر اشتراکی مفکر کے زیر غور رہے ہیں، مثلاً آبادی اور شادی کا مسئلہ کام کے اوقات مقرر کرنے اور روپے کے استعمال کرنے کا مسئلہ۔ ان مسائل پر اس قدر آزادی ہمدردی اور موشگافیوں کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ اس تصنیف نے Thomas More کے خواب کو افلاطون کے خواب کی طرح لازوال درجہ دے دیا ہے۔

انقلاب فرانس سے قبل

انقلاب فرانس سے پہلے بے چینی کے زمانے میں انسانی جماعت کے اقتصادی ادارے اور دستور حملے سے خالی نہیں رہے۔ اٹھارویں صدی کے زمانہ میں فرانس کے غوروفکر میں ذاتی ملکیت کے نقائص اور عدم مساوات کی مخالفت کی بو پائی جاتی ہے۔ بادشاہ اور مذہبی پیشواؤں کے خلاف ذاتی ملکیت ہی کو مخالفت کا آلۂ کار بنایا گیا تھا لیکن اس زمانہ کی تصانیف کے مبالغے کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے دوران میں سوشلزم شاذ و مبہم طور پر پیش کیا گیا ہے۔ روسو کی پوزیشن بھی اس معاملہ میں مشکوک ہے۔ اس کے چند معترضین ملکیت کے متعلق اس کے اقتباسات پیش کرکے اسے سوشلسٹ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، مثلاً "وہ پہلا آدمی

جس نے زمین کے قطعہ کی حدود قائم کرکے یہ اعلان کرنے کا خیال کیا کہ "یہ میرا ہے" اور لوگوں نے سادگی سے اس کے اس اعلان پر اعتبار کیا۔ اسی کو دراصل عمرانی جماعت کا بانی سمجھنا چاہیے۔ انسانی نسل کو بہت سے گناہوں، جنگوں، قتل و غارت، مصیبتوں اور ہولناک واقعات سے بچایا جاسکتا تھا۔ اگر کوئی شخص اس محدود قطعے کی حدود بندی کو مٹا کر اپنے ساتھیوں سے پکار کر یہ کہتا " اس دغاباز ٹھگ کی مت سنو۔ یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے اور اس کے پھل کے سب مالک ہیں۔ اگر تم یہ بات بھول گئے تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

چنانچہ Janet روسو کو بلا شبہ جدید اشتراکیت کا بانی تصور کرتا ہے۔ اس کے برخلاف چند معترضین روسو کے ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روسو کے نزدیک "ملکیت جماعتی زندگی کا نقص لاینفک ہے، اور اس اعتبار سے اسے اعتدال پسند خیال کرتے ہیں چنانچہ Sudre اپنی "تاریخ اشتمالیت" میں روسو کے متعلق تحریر کرتا ہے " روسو اشتمالیت کا حامی نہیں تھا۔ بلکہ اس کے نزدیک سوسائٹی کا تصور بغیر ملکیت کے دستور کے نامکمل رہ جاتا ہے" اگرچہ موخرالذکر رائے صحیح تر معلوم ہوتی ہے لیکن پھر بھی اتنی بات ضرور ہے کہ اس کی تحریروں میں وہ مصالحہ موجود تھا جس سے لوگوں نے وہ نتائج پیدا کیے ہیں جن کے اخذ کرنے سے روسو خود احتراز کرتا تھا۔

خود اس زمانہ کے واقعی سوشلسٹ مصنفوں کی توجہ اور غور و فکر اقتصادی مسائل کی جانب کم تھی، وہ زیادہ تر گرجا اور ریاست کے اقتدار کو توڑنے میں مصروف تھے۔ چنانچہ Meslier - Morelly Mably کے نظریات فلسفیوں کی ذہنی تجربہ گاہ کے محض ضمنی نتائج تصور کیے جاسکتے ہیں۔

انقلاب فرانس کی تحریک بھی دراصل متوسط طبقے کی تحریک تھی Babeuf کے نظریات بھی Mably اور Morelly کے نظریات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھے۔ Babeuf

کی انقلابی کارگذاری مزدور تحریک پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ اس زمانہ کی فضا کے مطابق محض انقلاب برپا کرنے کے جذبے کے ماتحت عمل میں آئی تھی۔ "چلو ہم بھی ایک انقلاب برپا کریں"

انقلاب کے بعد کے زمانے میں بھاپ کی مشینوں نے انسانی جماعت کا انڈسٹریل نقشہ بدلنا شروع کردیا، اور سرمایہ داری کا ایک نیا محاذ اشتراکیت کے خلاف کھڑا ہوگیا، یہ خیال تھا کہ انڈسٹریل دور اپنے ساتھ خوشحالی اور مسرت کی گھڑیاں لائیگا اور اس کی بدولت تمام دنیا خوشحال نظر آئیگی لیکن یہ سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس کی بجائے تجارتی مقابلہ کے نقائص، تشدد اور لوٹ کا بازار گرم ہوگیا۔

Saint simon - Fourier - Owen نے انڈسٹریل دور کی خرابیوں کا خود تجربہ کرتے ہوئے، نہایت سنجیدگی سے اس کے مقابلہ کی کوشش کی۔ وہ اپنی خوابوں کو سچا کرکے دکھانا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے محض غور و فکر کے میدان سے آگے بڑھ کر عمل کی جانب قدم اُٹھایا۔ ان میں جذبۂ عمل موجود تھا۔ اور اپنے مقصد کے حصول پر کامل بھروسہ تھا۔ ان کا عقیدہ انسانی جماعت کو تمام خرابیوں سے پاک کرنا تھا۔ اور وہ تمام خرابیوں کی جڑ دستورِ غلامی اور جہالت کو سمجھتے تھے ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ موجودہ خرابیوں کا بہترین حل ایک مکمل ترین نظامِ جماعت کا قیام ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف جنگ میں اُنہوں نے کسی مخصوص جماعت کو مخاطب نہیں کیا، بلکہ تمام انسانوں کو آپس میں بھائی سمجھتے ہوئے وہ اُن کے جذبۂ انصاف اور عقل سے اپیل کرتے تھے۔ چنانچہ انسانوں کو صحیح راستہ اور عقیدے پر ڈالنے کے لیے اُنہوں نے تجربہ کے طور پر نوآبادیات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اُن کی کوششوں کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ایک تجربہ کے بعد دوسرا تجربہ کیا گیا۔ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

سائنٹفک سوشلزم اس کے بعد فرانس میں Louis Blanc, Prondhon نے یوٹوپیا سے قطع نظر

کرکے سائنٹیفک سوشلزم کی طرف توجہ مبذول کی۔ لیکن نظریۂ اشتراکیت کو فرانس کی آب وہوا راس نہ آئی اور اُسے مجبوراً اپنی تکمیل کے لیے فرانس چھوڑ کر دریائے Rhine پار جرمنی جانا پڑا۔

کارل مارکس کا نام تاریخ اشتراکیت میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ تقریباً آدھی صدی سے اُس کے نظریات تحریک اشتراکیت کی ذہنی بنیاد سمجھے جاتے ہیں مارکس کی یہ ذہنیت بہت سے مختلف اثرات کے ماتحت مرتب ہوئی۔ ہیگل کے فلسفہ نے اس کے نظریہ زندگی کو ڈھالا۔ یہودی النسل ہونے کی وجہ سے اس میں بال کی کھال نکالنے کا مادہ فطری طور پر تھا۔ جرمنی اور فرانس کے سیاسی انقلابات نے اس میں انقلاب کا جذبہ پیدا کر دیا۔ معاشرتی اصلاح کے جذبہ نے (جس کا شور اُس زمانہ میں جبکہ وہ پیرس میں مقیم تھا برپا تھا) اس میں محض سیاسی انقلاب کی بجائے معاشرتی انقلاب کا خیال پیدا کر دیا۔ سرمایہ داری کے ارتقاء کے مطالعہ کا موقعہ اس کو انگلستان کے قیام کے زمانہ میں پوری طرح ملا۔ چنانچہ وہاں اُس نے سرمایہ داری کے متعلق بہت کچھ مواد جمع کیا جس کی وجہ سے اُسے آئندہ اقتصادی تنظیم کا رجحان معلوم کرنے میں آسانی ہوئی۔ انگریزی فلسفہ افادیت نے بھی اس کے مرتبۂ نظریات پر کافی اثر ڈالا۔ اس قسم کی بین الاقوامی ذہنی تربیت نے لامحالہ اس کے دماغ کو ایک بین الاقوامی تحریک کی رہنمائی کے لیے موزوں بنا دیا تھا۔

کارل مارکس نے اشتراکیت کو سائنٹفک، مستحکم، جنگی اور ایک مزدوری بین الاقوامی تحریک بنا دیا۔ مارکس کی آواز پر سب نے لبیک کہا۔ لکھوکھا بلکہ کروڑہا مزدور اور کسان اُس کے جھنڈے کے سایہ میں قدم بڑھا رہے ہیں۔ سوشلزم جس کو ایک دو نسل پہلے مجذوب کی بڑ، یا خفیہ سازشوں کا گھر خیال کرتے تھے وہ آج تاریخ کی ایک زبردست انقلابی بین الاقوامی سیاسی تحریک کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اور جس کا اثر مہذب دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے۔

سوشلسٹ پروپیگنڈے کی کامیابی کا سبب زیادہ تر وہ تبدیلی یا انقلاب ہے جس نے

انڈسٹریل نظام کی صورت اختیار کرلی ہے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ سے سوشلزم کا مقصد یا نصب العین یہ ہے کہ وہ مزدوروں اور کسانوں کی جماعت میں اس قدر بے اطمینانی پھیلادیں کہ وہ سوشلزم کے سوا کسی اور معاشرتی حل سے خوش نہ ہو سکیں۔

اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم سوشلسٹوں کے ان شکووں یا شکایات پر غور کریں جو وہ موجودہ نظام کے خلاف کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ اپنے کو ایسا انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور سمجھتے ہیں۔

کیا سوشلزم ہماری مشکلات کا کامیاب حل ہے؟

ہر خیال اور رنگ کے سوشلسٹ کم از کم اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ نظامِ معاشرت قابلِ الزام ہے۔ وہ لوگ جو اپنے علاج اور طریقِ عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف ہیں، موجودہ مشترکہ دشمن یعنی نظام سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں متحد ہیں۔ ان کے مختلف گروہ موجودہ سوسائٹی کے مختلف نقائص پر زیادہ زور دیتے ہیں، جو اُن کے اپنے اپنے تجربہ اور نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے۔ کوئی بیچ کے بیوپاری یا دلال کو بُرا کہتا ہے، تو کوئی لوٹنے والے سرمایہ دار کو فساد کی جڑ سمجھتا ہے۔ ایک پیداوار دولت کی بدنظمی کا رونا روتا ہے، تو دوسرا ناجائز تقسیم دولت کو قابل ملامت ٹھہراتا ہے۔ کچھ لوگ تجارتی مقابلہ کے دور میں اخلاق سے گری ہوئی حالت پر ماتم کرتے ہیں۔ غرض جس قدر بھی برائیاں اور نقائص ذاتی ملکیت اور دستوری مقابلہ کے خلاف جمع کی جاسکتی ہیں، انہیں یکجا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ سوشلسٹ احتجاج یا شورش کی بنیاد محض انڈسٹریل نظام کی خرابیوں اور نقائص پر ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا دار و مدار بہت کچھ عوام الناس کی بے اطمینانی اور عدم قناعت کے جذبہ پر ہے۔ اس سے قبل کہ اس مسئلہ پر خارجی اعتبار یعنی انڈسٹریل زندگی کے نقائص کے اعتبار سے غور کیا جائے بہتر یہ ہوگا کہ ہم داخلی اعتبار سے بھی اس پر غور کریں۔ سرمایہ داری کے نقائص خواہ کتنے ہی قابل ملامت کیوں نہ ہوں لیکن یہ سمجھنے کے لیے کہ موجودہ زمانہ میں اس کے خلاف اتنی بغاوت

یوں بلند کی جارہی ہے کہ جس کی کوئی نظیر پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ غور کرنا ضروری ہوگا کہ موجودہ عام عمرانی بے اطمینانی کی نفسیاتی حقیقت کیا ہے۔

عوام کی بیداری

اس بڑھتی ہوئی بے اطمینانی کا بڑا سبب عوام الناس کی حالت میں بہتری اور ترقی ہے Spencer (سپنسر) نے اس عجیب بات کی جانب کس لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "جوں جوں صورت حالات میں بہتری یا ترقی رونما ہوتی ہے۔ اُتنا ہی زیادہ نقائص کے متعلق چیخ و پکار میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے" اس زمانہ میں جبکہ عورتوں کی حالت لونڈیوں سے بھی بدتر تھی۔ اور اُن کو مردوں کے آگے کا بچا کھچا مل جاتا تھا۔ اس وقت عورتوں کے حقوق کی آواز کہیں نہیں سُنائی دیتی تھی۔ آج جبکہ اُن کو بہت کچھ حقوق دیے جاچکے ہیں، ان کی چیخ و پکار میں روز افزوں ترقی نظر آتی ہے۔ یہی حالت موجودہ مزدوروں کی ہے، جبکہ ان کی حالت کا مقابلہ پہلے زمانہ کے مزدوروں سے کیا جائے تو بلاشبہ ان کی مزدوری اُس زمانہ کے اعتبار سے زیادہ ہے کام کے اوقات پہلے کی بہ نسبت مختصر ہیں، رہائش کے حالات بھی بہتر ہیں لیکن ان تمام بہتریوں کے باوجود اُن کی حرص و طمع بڑھتی جارہی ہے۔ انتہائی مفلسی و مایوسی اور جہالت انسان کو کچل دیتی ہے۔ لیکن نیم ترقی اس میں خطرناک مطالبات کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ ان کے دلوں میں حب جاہ و ہوس اور زیادہ گھر کرلیتی ہے۔ منزل مقصود انہیں ترسا ترسا کر ان سے اور دور ہوتی جاتی ہے۔ ان کے مطالبات میں سختی نمایاں ہونے کے علاوہ اس کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ بلند تر سطح انہیں وسیع تر اُفق کے مشاہدہ کا موقع دیتی ہے۔ اَن دیکھی اور اَن سُنی چیزیں سائنس کی بدولت نمایاں ہونے لگیں جس کی وجہ سے اُن کی قابلیت اور صلاحیت کے حلقہ سے باہر ضروریات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا۔ درحقیقت صرف چند ضروریات کا پورا ہونا ممکن ہے۔ قناعت میں برکت ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کا معیار ضروریات صرف آپ کے بس کی بات نہیں رہی مذاق

نی یا آپ کے آباؤ اجداد کی زندگی بھی اس میں آپ کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ معیار اکثر اپنے
ے زیادہ خوش قسمت انسانوں اور اپنے گرد و پیش کے حالات کو دیکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔ ایک رجائیت
ند شخص شاید آپ کو یہ یاد دلائے کہ آپ کی پوزیشن کا شخص ایک صدی قبل ہفتہ میں ایک مرتبہ گوشت
ے مل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا کرتا تھا اور یہ کچھ زیادہ زمانے کی بات نہیں ہے کہ مہین و باریک کپڑا صرف
میوں کا لباس تھا، اور صرف وہی اسے پہن سکتے تھے۔ اس امر کی آپ کو کوئی پرواہ نہیں کہ
پ کے آباؤ اجداد دھوڑی استرکی جوتی پہنتے تھے یا ننگے پاؤں پھرتے تھے لیکن آپ سے یہ برداشت
نہیں ہو سکتا کہ آپ تو پیدل چلیں اور آپ کا ساتھی انسان چھ سلینڈر کی لینڈو بوڈی میں آپ کے
س سے گذر جائے یا آپ کے سر پر ہوائی جہاز اڑائے۔ چنانچہ *Lassalle* اپنے ایک خط میں
لکھتا ہے:-

"مزدور کو امریکہ کے انکشاف سے پہلے تمبا کو حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ چھاپہ خانوں کی ایجاد سے پہلے اپنی منشاء کی کتابیں پڑھنی ہر ایک کے لیے تقریباً ناممکن تھیں انسانی تکالیف اور مصائب کا انحصار زندگی کی وقتی ضروریات اور رسوم کے پورا کرنے کے تناسب پر ہے۔ ہماری تکالیف و مصائب کا معیار، ہماری تسلی اور خوشحالی کا احساس اسی زمانے کے دوسرے لوگوں کی حالت کا مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ترقی کے مختلف مدارج کے اعتبار سے نئی نئی ضروریات پیدا ہوتی گئیں جن کی وجہ سے ہمارے دلوں میں وہ جذبات اور خواہشات موجزن ہو گئے جن کا پہلے نام و نشان بھی نہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں تکلیف و مصیبت کا احساس ہونے لگا"

ہمارا معیار زندگی ہماری آمدنی کی حدود سے بڑھ گیا، جو کل عیش و آسائش میں داخل تھا۔ وہ آج
ضروریات زندگی میں شامل ہو گیا۔

عقیدۂ جمہوریت کا اثر

عقیدۂ جمہوریت نے ہمارے عدم مساوات کے احساس کو اور بھی زیادہ بڑھا دیا۔ یکساں حق رائے دہندگی کے معنی یکساں مالی حالت کے لیے جانے لگے۔ اس زمانہ میں جبکہ لوگ اپنے متعلقہ فرقوں یا پیشوں میں پیدا ہوتے، پرورش پاتے اور مرجاتے تھے۔ تو خدا سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ ان کی عزت جیسی ہے ویسی ہی بنی رکھے۔ انھیں اپنی اس حالت پر افسوس نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ وہ اس کو کسی بے انصافی پر مبنی سمجھتے تھے لیکن جب ان تمام حدود بندیوں کے ٹوٹ جانے کے بعد نظریہ جمہوریت نے انہیں یہ تعلیم دی کہ ہر شخص اتنا ہی اچھا اور قابل عزت ہے جیساکہ اس کا پڑوسی تو اس کے ساتھ ذہنیت بھی بالکل بدل گئی۔ اگرچہ آج کل کے زمانے میں ایک کروڑپتی اور ایک غریب کرایہ دار کی زندگی کے درمیان خلیج افتراق اتنی وسیع نہیں ہے جیسی کہ پہلے رئیس یا کاشتکار کے درمیان تھی لیکن فرق اتنا ہے کہ پہلے زمانہ کا کاشتکار کبھی اپنی حالت کا مقابلہ رقابت یا حسد کی بنا پر رئیس کی حالت سے نہیں کرتا تھا۔

سوشلزم کا اعتقاد آخرت کی ضد ہے

اس کے علاوہ وہ بندھن جس کی بدولت غریب آدمی اپنی زندگی قناعت کے ساتھ بسر کرتا تھا کمزور ہوگیا۔ "ایمان بالآخرت" یعنی اس دنیاوی زندگی میں تکلیف اٹھاکر دوسری زندگی میں اس کا اجر پانے کا خیال یا عقیدہ ایسا تھا جو غریبوں کی تسلی کا آخری سہارا ہوتا تھا چنانچہ ایک مذہبی شخص سوشلزم کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

"اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ تمام کھیل اس زندگی تک کا ہے اور بعد میں کچھ بھی نہیں ہے تو ایک مظلوم و مفلس سے جو اپنے وجود کے قیام کی کشمکش میں تمام عمر گرفتار رہتا ہے۔ یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و قناعت سے برداشت کرے جبکہ اس کے پڑوسی اعلیٰ لباس میں ملبوس ہوں اور ان کے دسترخوان اعلیٰ اعلیٰ کھانوں سے چنے ہوئے ہوں۔ اگر تم اس غریب سے آئندہ

بہتر زندگی کی اُمید چھینتے ہو تو تمہیں کیا حق ہے کہ اسے دنیا میں بہترین خوشی حاصل کرنے سے روکو۔ لہذا وہ اس دنیا کی جاہ و دولت میں اپنا حصّہ بٹانا چاہتا ہے۔ اگر دہریت اور مادی نقطۂ نظر درست اور صحیح ہے تو اشتراکیت کے مطالبات بھی بلاشبہ صحیح و درست ہیں۔ یعنی یہ کہ اس زندگی کے تمام لطائف و اسباب میں سب کا برابر کا حصّہ ہونا چاہیے اور یہ طریق انصاف کے خلاف ہوگا کہ ایک شخص اعلیٰ درجہ کے محل میں رہتے ہوئے زندگی کی تمام مسرتوں سے بغیر کسی محنت کے لطف اندوز ہو اور دوسرا ایک کال کوٹھری میں رہتے ہوئے بھی بڑی مشکل سے اپنا پیٹ بھر سکے۔"

اگر کوئی شخص اس دنیا میں مصائب و آلام کا شکار ہے تو اسے اپنی زہد و اتقا کی زندگی سے کم از کم یہ اُمید تو ہے کہ وہ جنت میں موتیوں کے محل کا حق دار بن سکیگا۔ اور اُس وقت وہ اُن لوگوں کو جو آج دولت و ثروت کے نشہ میں سرشار ہیں، نفرت و حقارت سے اپنے اعمال کی سزا بھگتے دیکھ سکیگا۔ اس عقیدے کی صداقت اور برکت سے پہلے بہت کچھ امن قائم تھا۔ اگرچہ مذہب اس جذبہ کو اُبھارنے کی پھر کوشش کر رہا ہے، لیکن شیطان اپنا دام کافی بچھا چکا ہے۔

سوشلزم کی عام مقبولیت و اشاعت کے اسباب

بڑے بڑے شہروں میں آبادی کی زیادتی، کارخانوں، کھیل اور تماشہ گاہوں کے عمرانی اثرات نے قدیم رفتار میں لغزش پیدا کردی۔ کسان اور کاریگر پہلے ان تمام اُلجھنوں سے منقطع رہ کر تنہائی اور قناعت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج کل بھی وہ لوگ جو دیہاتی مضافات میں رہتے ہیں، اُن کو بہ نسبت شہر کے رہنے والوں کے بہت کم لوازم زندگی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فیکٹری یا کارخانے کے مزدور پر ہر وقت عمرانی اثرات اپنا جادو کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر گھنٹے اور ہر منٹ اپنے ساتھیوں سے ملتا جلتا اور فرصت کے وقت تبادلۂ خیالات کرتا رہتا ہے۔ لہذا اس میں کسان کی انفرادی زندگی کی بجائے اجتماعی زندگی کا شوق پیدا ہوجاتا ہے

ایسی صورت میں مزدوروں کو سوشلزم کا گرویدہ بنا لینا کوئی مشکل کام نہیں۔

انڈسٹری کے دوران میں مشینوں کے استعمال نے بھی اپنا کافی اثر کیا۔ پروفیسر Veblen کا خیال ہے کہ مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کی عادات میں مشین پر کام کرنے سے ایک خاص انضباطی یا اطاعت وانتخاب کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی عقلوں پر انسانی احساس ومحبت اور روایات قدیمہ کے احترام کی بجائے ایک غیر واضح لاشخصی علت ومعلول کے سلسلہ کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ سوشلزم زیادہ تر انڈسٹریل اقوام کی انڈسٹریل جماعتوں میں پایا جاتا ہے، اور وہ لوگ جو انڈسٹری کے علاوہ دوسرے پیشوں میں مشغول ہیں اور کسی ملکیت کے مالک نہیں اس تحریک سے خارج یا محفوظ ہیں۔ پروفیسر Veblen اس بارے میں فرماتے ہیں:-

"امیر کا مفلس سے مقابلہ کرنے کی بجائے خط امتیازی ان دو فریقین کے درمیان کھینچنا چاہیے جو سوشلزم کے پیرو بن سکتے ہیں، یا وہ جو نہیں بن سکتے۔ یعنی وہ گروہ جو انڈسٹریل پیشوں میں مصروف ہے۔ اور وہ جو دیگر معاشی پیشوں میں مشغول ہیں سوشلزم میں زیادہ تر سوال پیشے کا ہے نہ کہ مقبوضات کا۔ دولت کی اضافت کا نہیں ہے، بلکہ کام کی نوعیت کا ہے۔ سوشلسٹ کی توجہ خاص طور پر مخصوص جماعتوں کی طرف ہے۔ اور دوسری جماعتوں کی طرف سے جن کی حالت تقریباً ویسی ہی ناگفتہ بہ ہے سوشلزم غفلت برتنی چاہتا ہے، وہ لوگ جو مشین کی انڈسٹری سے متعلق ہیں وہ اس سے زیادہ قریب تر ہیں۔ باقی وکیل۔ سوداگر اور مہاجن۔ مذہبی پیشوا اور ریاست والوں کا وہاں گذر نہیں۔ اسی طرح دیہاتی آبادی کا اکثر حصہ بھی مستثنیٰ ہے۔ غرض یہ کہ مشین کے مزدوروں کے علاوہ دیگر پیشوں والی اکثریت جو خود کسی ملکیت کی مالک

نہیں ہے۔ سوشلزم سے الگ ہے"۔

سائنس کی معجز نما ایجادوں نے انسان کے دل و دماغ کو سخت انقلابی تجاویز و اسکیم کا عادی بنا دیا۔ ہم نے قدرت پر بہت کچھ قبضہ جما لیا۔ مثلاً سورج کا وزن معلوم کر لیا، سات سمندر پار اپنی باتیں سننے اور سنانے لگے۔ بجلی اور بھاپ پر سوار ہو گئے۔ اور اب وہ ہمارے حکم کی فرمانبردار اور مطیع ہیں زمین کی طنابیں کھینچ کر مہینوں کا سفر دنوں میں۔ اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے لگے۔ لہذا رجائیت پسند طبیعتوں کو ان عظیم الشان تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے انسان کی معاشرتی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا یا انقلاب برپا کرنا معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔

بالآخر یہ امر قابل غور ہے کہ تبلیغ کے راستہ میں پہلے کی بہ نسبت کتنی آسانیاں اور سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ پریس یعنی اخبارات و رسالہ جات اور وسائل آمد و رفت کی ترقی اس امر میں بڑی مدد معاون ثابت ہوئی ہے۔ اب ہر تحریک کا سٹیج شہر و ملک کی حدود سے نکل کر تمام دنیا بن گیا۔ تنقید عام طور پر پسند کی جانے لگی۔ پریس کو جس میں فائدہ نظر آتا ہے، اسی کا راگ گانا شروع کر دیتا ہے۔ آب و تاب زر کی زرد زرد شعاعیں جب کسی کروڑپتی کے چہرے پر پڑتی ہیں تو ہماری نظریں اور دل بھی لالچ سے گرما جاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ کی زمین بے اطمینانی اور ساتھ ہی سوشلزم کا بیج بونے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ وہ بیج کیا بویا گیا؟ یعنی سوشلزم نے سرمایہ داری پر کیا کیا الزامات لگائے ہیں؟

(باقی)